شاہد حسین رزاقی

لبنان

جمہوریۂ لبنان کا رقبہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ایک تفریح گاہ یلواسٹون نیشنل پارک کے برابر ہے۔
اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ قدرت نے اس حسین سرزمین کو بھی ایک دلکش تفریح گاہ بنایا تھا مگر فرانس کی
سیاست کاری نے اس کو ایک جداگانہ مملکت بنا دیا۔ اور مشرق و مغرب کے شاطروں کے لیے ایک
نہایت خوشنما بین الاقوامی سیاسی بساط بچھادی گئی۔ عالمی سیاست میں لبنان کو شروع ہی سے غیر معمولی
اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ اس اہمیت کو ہمیشہ ملحوظ بھی رکھا گیا اور اس سے فائدہ بھی اٹھایا جاتا رہا۔
لیکن خود لبنان کا بنیادی مسئلہ داخلی کش مکش اور شام سے روز افزوں اختلافات کو دور کرنا تھا۔ مصر سے
شام کے الحاق کے بعد لبنان کے داخلی حالات نے بڑی نازک صورت اختیار کرلی اور لبنان کی خانہ جنگی
بین الاقوامی سیاست کاری کا محور بن گئی۔ عالمی دول کی باہمی کش مکش نے لبنان کو اپنی جولاں گاہ بنایا اور
اس طرح مشرق وسطیٰ کا یہ چھوٹا سا ملک ساری دنیا کی توجہات کا مرکز بن گیا۔

جنتِ ارضی

لبنان کا مطلب ہے دودھ کی طرح سفید۔ اور لبنان کے باشندوں نے اپنے حسین ملک کا یہ نام
اس کے برف پوش پہاڑوں کی نسبت سے رکھا ہے جن کی دلکش وادیوں پر یہ ملک مشتمل ہے۔ دمشق سے
بیروت جاتے ہوئے سرحد کے ساتھ ہی پہاڑوں کا پہلا سلسلہ ملتا ہے جو شمال سے جنوب تک پھیلے ہوئے
ہیں اور ان کی بعض چوٹیاں آٹھ ہزار فیٹ سے زیادہ بلند ہیں۔ ملک کے وسط میں پہلے سلسلہ کے متوازی
جبال لبنان کا مشہور و معروف سلسلہ ہے اور ان دونوں کے درمیان نہایت دلکش اور زرخیز وادی البقا
ہے۔ دمشق سے تقریباً نصف فاصلہ طے ہونے کے بعد جو پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ بلند تر ہوتا جاتا
ہے یہاں تک کہ صنوبر اور سرو سے ڈھکے ہوئے اور بلند برف پوش چوٹیوں والے پہاڑوں پر سے بحر روم
کا نیلا پانی نظر آنے لگتا ہے۔ ان پہاڑوں کے مغربی دامن میں نہایت دلکش وادیوں کا سلسلہ ہے جو اکثر
مقامات پر ساحل تک چلا گیا ہے۔ ان وادیوں میں اور پہاڑوں کے دامن میں لبنان کے شہر اور قصبے آباد
ہیں جن کو قدرت کے حسین مناظر نے اس قدر دلفریب بنا دیا ہے کہ ان پر افسانوی بستیاں ہونے کا گمان

ہوتا ہے۔ حمانا، صوفرہ، حمدون، بکفایہ، عالیہ، یونیہ اور دوسری متعدد کوہستانی بستیاں جو سیاحوں کی جنت کہی جاسکتی ہیں ان ہی وادیوں میں آباد ہیں۔ وسط میں قب الیاس اور طلابیہ کے شمال میں لبنان کا تیسرا بڑا شہر زحلہ ہے جو اپنے دلکش مناظر کے لیے بہت مشہور ہے اور شمال مغرب میں بشاری آباد ہے جو لبنان کی حسین ترین پہاڑی بستی ہے۔

جبال لبنان کے شمالی حصے ہیں اس کی بلند ترین چوٹی قرن السوداہے۔ اس چوٹی اور بشاری کے درمیان لبنان کے مشہور و معروف تاریخی صنوبروں کا جھنڈ ہے۔ یہاں چار سو سے زیادہ عظیم الشان درخت ہیں جو ایک ہزار سال سے زیادہ پرانے ہیں۔ ان میں سے ایک درخت پرچم والا صنوبر کہلاتا ہے کیونکہ لبنانی پرچم اور سکے پر اس کی تصویر بنائی گئی ہے۔ اس جھنڈ کی حفاظت کے لیے اس کے گرد پتھر کی دیوار بنادی گئی ہے۔ اہل لبنان صنوبر کے ان درختوں کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے اور اس علاقے کو ارض الرب کہتے ہیں۔

پہاڑوں اور وادیوں کا یہ سلسلہ ساحل تک چلا گیا ہے۔ ساحل کے ساتھ ریلوے لائن اور سڑک بنائی گئی ہے۔ لیکن بہت سے مقامات پر سطح زمین کی چوڑائی اتنی کم ہے کہ پہاڑ کاٹ کر راستہ نکالنا پڑا ہے۔ پہاڑوں کے دامن میں زینے کی طرح کیاریاں بنا کر ان میں انگور اور غلّے کی کاشت کی جاتی ہے۔ بیروت، طرابلس، صیدہ اور السور بڑے شہر اور بندرگاہ ہیں جو بحر روم کے مشرقی ساحل پر آباد ہیں۔ یہاں کھلی ہوئی مسطح زمین نظر آتی ہے۔ جہاں بڑے بازار اور سرکاری دفاتر وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ لیکن یہ مسطح جگہ بالکل ناکافی ہے اور مکانات کا سلسلہ پہاڑوں کے دامن میں کافی بلندی تک چلا گیا ہے۔ تقریباً تمام بستیاں پہاڑوں کے دامنوں اور وادیوں میں ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے ملک میں ہر طرف بے ترتیب مکان بکھرے ہوئے ہیں۔ لبنانی صنوبر اور سرو کے خوشنما درختوں سے گھرے ہوئے سرخ چھتوں والے پختہ مکان، میوے کے باغوں، خوبصورت کیاریوں اور رنگ رنگ کے پھولوں سے بھری ہوئی وادیاں۔ برف پوش چوٹیاں اور شاداب پہاڑ۔ نہریں، چشمے اور آبشار اور دامن کوہ سے ٹکراتی ہوئی بحر روم کی موجیں سب مل کر کچھ ایسا دلکش منظر پیش کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس جنّتِ ارضی کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حالیہ تاریخ

جس علاقے پر لبنان مشتمل ہے وہ فنیقی دور میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گیا تھا اور اس کے بندرگاہ جہازرانی اور تجارت کے عالمی مرکز بن گئے تھے۔ لیکن فنیقیوں کے بعد یہ علاقہ دوسری اقوام کا محکوم بن گیا۔ اور آخر کار ترکوں کے قبضے میں آیا۔ پہلی عالمگیر جنگ تک لبنان سلطنتِ عثمانیہ کا ایک سنجق تھا جس پر ترکی گورنر عوام کے منتخب کردہ مشیروں کی مدد سے حکومت کرتا تھا۔ جنگ کے بعد فرانس نے شام والبنان پر قبضہ کرنا چاہا۔ لیکن

محبانِ وطن نے شدید مخالفت کی۔ اور امیر فیصل کو بادشاہ منتخب کر لیا۔ میلون کی جنگ میں فیصل کو شکست ہوئی اور فرانس کا انتداب قائم ہو گیا جس کی مجلس اقوام نے بھی توثیق کر دی۔ فرانس نے پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کا اصول اختیار کیا۔ چنانچہ لبنان کے ترکی سنجق میں شام کے کچھ مسلم علاقے شامل کر کے جداگانہ ریاست بنا دی۔ خود شام کو بھی چار ریاستوں میں تقسیم کر دیا تھا لیکن محبانِ وطن نے ان کو پھر متحد کر دیا۔ مگر لبنان کے متعلق فرانس نے یہ استدلال پیش کیا کہ یہ عیسائی علاقہ ہے اس لیے اس کو شام کی مسلم ریاست سے علاحدہ رکھنا لازمی ہے۔ شام و لبنان کے الحاق کے لیے محبانِ وطن کی تمام کوششوں کو فرانس نے ناکام بنا دیا۔ اور ۱۹۲۶ء میں لبنان کو علاحدہ جمہوریہ بنا کر نیا دستور نافذ کر دیا۔ دوسری عالمی جنگ میں جب فرانس کو شکست ہوئی تو لبنان میں آزادی کی تحریک کو بڑی تقویت حاصل ہو گئی۔ پیتان اور ڈی گال دونوں شام و لبنان کی دوستی کے خواہاں تھے۔ دوسری طرف اتحادی ممالک کے لیے ان کی بڑی اہمیت تھی چنانچہ اتحادیوں نے آزادی کی ضمانت دی اور فرانس کی مخالفت کے باوجود یہ ملک آزاد ہو گئے۔ نومبر ۱۹۴۱ء میں لبنان آزاد جمہوریہ بنا۔ اگست ۱۹۴۳ء میں ۵۵ ممبروں پر مشتمل نئی پارلیمنٹ منتخب کی گئی۔ پارلیمنٹ نے شیخ بشارۃ الخوری کو صدر منتخب کیا اور ریاض الصلح وزیر اعظم ہوئے۔ خصوصی مفاد کی حفاظت کے بہانے فرانس اب بھی مداخلت کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ کش مکش اور تصادم کی شکل میں نکلا۔ آخر کار فرانس کو جھکنا پڑا اور ۱۹۴۶ء تک تمام فرانسیسی فوجیں لبنان سے نکال لی گئیں۔ اس طرح لبنان فرانس کے اقتدار اور مداخلت سے بالکل آزاد ہو گیا۔

مذہبی مسئلہ

لبنان کا سب سے مشکل اور بنیادی مسئلہ مذہبی مسئلہ ہے۔ فرانس نے یہ کہہ کر لبنان کو علاحدہ جمہوریہ بنایا کہ یہ عیسائی علاقہ ہے اور اس کو مسلم علاقہ سے الگ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس کی علاحدہ حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے یہاں عیسائی اکثریت کا ہونا لازمی ہے۔ عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ تیرہ لاکھ آبادی میں ۶ لاکھ ۸۵ ہزار عیسائی ہیں۔ اور مسلمانوں کی اکثریت نہیں ہے۔ اس کے برعکس مسلمان اپنی اکثریت کے دعویدار ہیں۔ لبنان کے دستور میں مسلمان فرقوں کو مختلف قوموں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور سنّی، شیعہ اور دروزی تینوں علاحدہ قومیں قرار دیئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے فرقوں کو بھی علاحدہ قومی حیثیت دی گئی اور اسی تقسیم کے مطابق نہ صرف پارلیمنٹ بلکہ دوسرے سرکاری اداروں اور ملازمتوں میں ان کی تعداد مقرر کی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان متحد نہ ہو سکیں۔ اور ذاتی مفادات قومی اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بنتے رہیں۔ تاکہ عیسائیوں کی اکثریت ظاہر کر کے لبنان کو جداگانہ عیسائی جمہوریہ کے طور پر باقی رکھا جا سکے۔ اس مقصد کے تحت عیسائی حکومت عجیب و غریب تدبیریں اختیار کرتی رہی ہے۔ لبنانی عیسائیوں کی کافی تعداد امریکہ اور دوسرے ممالک میں آباد ہو گئی ہے۔

لیکن لبنانی حکومت نے ان کو بھی لبنان کے شہری حقوق، جن میں حق رائے دہی و نمائندگی بھی شامل ہے، دے دیئے ہیں۔ مسلمانوں میں شرحِ پیدائش عیسائیوں سے زیادہ ہے۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں یہ معلوم ہوا کہ چار سال کے عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد میں پچاس ہزار کا اضافہ ہو گیا۔ اندازہ تھا کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق بھی پانچ سال میں مسلمانوں کی اکثریت ثابت ہو جائے گی اس لیے مردم شماری ہی بند کر دی گئی۔ لبنان کے مسلمان شام سے الحاق کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہے ہیں لیکن ان کی معاشی زبوں حالی اور خصوصی مراعات حاصل کرنے والوں کے ذاتی مفاد ان کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتے رہے۔ عیسائی بھی اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ یہ دھاندلی زیادہ عرصہ تک چلانا ممکن نہیں۔ اس لیے ان کا ایک طبقہ بھی یہ کہنے لگا کہ لبنان سے مسلم آبادی کے اضلاع کو نکال کر تنگ عہد کے سخت میں بیروت کو شامل کر کے نئی حد بندی کی جائے تاکہ اس مملکت میں عیسائیوں کی موثر اکثریت ہو سکے۔ لیکن اس طبقہ کے مخالف اتنی چھوٹی مملکت کو مضحکہ خیز قرار دیتے ہیں۔ اور ان کا یہ مطالبہ ہے کہ موجودہ حدود میں ہی عیسائی اکثریت برقرار رکھی جائے۔ لبنان کے تمام مسائل جن میں موجودہ کش مکش بھی شامل ہے درحقیقت اسی بنیادی مسئلہ کا نتیجہ ہیں۔

باشندے

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق لبنان میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً چھ لاکھ ہے۔ جن میں ۲ لاکھ ۷۵ ہزار سنی، ۲ لاکھ ۳۶ ہزار شیعہ اور علوی، اور ۸۳ ہزار دروزی ہیں جو جبل حرمون کے مغربی دامن میں آباد ہیں۔ لبنان میں دروزی آبادی شام کے جبل دروز کی بستیوں ہی کا سلسلہ ہے۔ اس فرقہ کا بانی فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ تھا۔ اس کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا اور اس نے مظہرِ ذاتِ خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کا ایک مصاحب اسماعیل الدروزی تھا جو مصر سے بھاگ کر شام پہنچا اور جنوبی شام کے پہاڑی باشندوں میں اس عقیدے کی تبلیغ کرنے لگا۔ دروزی قبائل جبل دروز کی وادیوں اور غاروں میں رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا سے ان کا تعلق بہت کم ہے اور عام طور پر ان کے حالات کا علم نہیں۔ اس علاقے میں رہنے والے بعض لوگوں سے دروزیوں کے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ ان میں مختلف عقائد کے لوگ ہیں۔ جاہل طبقہ بہت گمراہ ہے۔ اور ان میں سے بعض لوگ پہاڑوں کے اندر بڑے تاریک غاروں میں حضرت علیؓ کا نہایت بھیانک بُت بنا کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن وحدانیت کے شدت سے دعویدار ہیں۔ تعلیم کی اشاعت اور دوسرے علاقوں کے مسلمانوں سے روابط کے باعث دروزیوں کے عقائد کی اصلاح ہونے لگی ہے۔ اور کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ رفتہ رفتہ غیر اسلامی عقائد ترک کر دیں۔

لبنانی عیسائیوں میں کئی فرقے ہیں۔ مارونی فرقہ تعداد میں سب سے زیادہ ہے۔ پونے چار لاکھ کے قریب۔ اس کے بعد گریک آرتھوڈاکس ہیں جن کی تعداد سوا لاکھ سے زیادہ ہے۔ آرمینی اور کیتھولک گریک دونوں ملا کر تقریباً

ڈیڑھ لاکھ ہیں۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے علاوہ چند ہزار یہودی اور دوسرے مذاہب کے پیرو بھی آباد ہیں جن کو پارلیمنٹ میں بھی نمائندگی دی گئی ہے۔

نظامِ حکومت

عیسائیوں کی اکثریت ثابت کرنے اور قائم رکھنے کی کوشش نے لبنان کے نظامِ حکومت کو بہت پیچیدہ بنا دیا ہے۔ عیسائی، سُنّی اور شیعہ تین بڑی قومیں قرار دی گئی ہیں اور یہ روایت بن گئی ہے کہ صدر جمہوریہ مارونی فرقہ کا عیسائی ہو، وزیر اعظم سنّی ہو اور پارلیمنٹ کا اسپیکر شیعہ ہو۔ ۱۹۴۳ء میں پارلیمنٹ کے ارکان کی تعداد ۵۵ تھی جون ۱۹۵۰ء میں ۷۷ کر دی گئی تاکہ دوسرے ملکوں میں آباد لبنانیوں کو بھی نمائندگی دی جا سکے۔ لیکن ۱۹۵۲ء کی دستوری تبدیلیوں کے بعد یہ تعداد ۴۴ ہو گئی۔ اور اس کی تقسیم اس طرح کی گئی سنّی ۹۔ شیعہ ۸۔ دروزی ۳۔ مارونی ۱۳۔ گریک آرتھوڈاکس ۵۔ آرمینی ۲۔ کیتھولک ۳۔ دوسری اقلیتیں ایک۔ ان ممبروں میں سے ۲/۳ بالواسطہ اور جداگانہ طریقۂ انتخاب سے منتخب کئے جاتے ہیں اور ۱/۳ کو صدر جمہوریہ نامزد کرتا ہے۔ نامزدگی میں بھی فرقہ واری تناسب ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ کا نام دار النوابین ہے۔ اور یہ ایک ایوانی پارلیمنٹ ۲/۳ اکثریت سے صدر جمہوریہ کو منتخب کرتی ہے جس کی مدّتِ عہدہ چھ سال ہوتی ہے۔ صدر جمہوریہ کابینہ کے ارکان کا انتخاب کر کے وزیر اعظم کو نامزد کرتا ہے۔ لبنان میں پانچ صوبے ہیں جو محافظہ کہلاتے ہیں اور یہ اضلاع میں منقسم ہیں جو ناحیہ کہے جاتے ہیں۔ اضلاع کے حکام کو وزیر داخلہ مقرر کرتا ہے۔ گاؤں کا حاکم مختار کہلاتا ہے جس کو گاؤں کے رہنے والے منتخب کرتے ہیں اور اس کی مدد کے لیے بزرگوں کی مشاورتی مجلس بنائی جاتی ہے۔

سیاسی جماعتیں

دستوری بلاک۔ قومی بلاک۔ سوشلسٹ پارٹی۔ شامی پارٹی اور فلانجی پارٹی لبنان کی اہم سیاسی جماعتیں ہیں۔ ان میں سے فلانجی اور شامی پارٹیوں کو غیر قانونی قرار دیا گیا تھا کیونکہ یہ آمریت اور دہشت انگیزی کی قائل تھیں۔ شامی پارٹی کا مقصد یہ تھا کہ آمرانہ تنظیم اور دہشت و خونریزی کے ذریعہ لبنان کو شام سے ملحق کیا جائے۔ اس نے جولائی ۱۹۴۹ء میں انقلاب برپا کر کے حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ اس کا لیڈر انطون سعد دمشق بھاگ گیا تھا۔ لیکن شامی حکومت نے اس کو لبنانی حکومت کے حوالے کر دیا اور اس کو گولی مار دی گئی۔ شامی پارٹی کے جواب میں عیسائیوں نے فلانجی پارٹی قائم کی تھی۔ اور اس کی تشدد پسندی کا نتیجہ بھی قانونی پابندی کی شکل میں نکلا۔ یہ دونوں جماعتیں اگرچہ غیر قانونی قرار دی گئی تھیں لیکن ان کی خفیہ سرگرمیاں جاری رہیں اور موجودہ کشمکش میں ان جماعتوں کے حامی نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ چنانچہ فلانجی پارٹی پھر ایک طاقتور جماعت بن گئی اور شامی پارٹی نے سوشلسٹ پارٹی کی شکل اختیار کر لی۔ باقی ماندہ تین جماعتوں میں سب سے بڑی تنظیم دستوری بلاک ہے جس کے ایک رہنما بشارۃ الخوری لبنان

کے پہلے صدر اور دوسرے رہنما ریاض الصلح پہلے وزیر اعظم ہوئے۔ شیخ بشارت نے ۱۹۴۷ء میں ہر سیاسی جماعت سے غیر متعلق ہونے کا اعلان کر دیا اور ریاض الصلح اس کے مسلمہ قائد ہو گئے۔ ریاض نے آزادی کی جدوجہد میں نمایاں حصّہ لیا۔ وہ اتحادِ عرب کے بڑے حامی تھے اور لبنان کو عرب لیگ میں انہی نے شامل کیا۔ مگر ان کے انتہا پسند سیاسی مخالفوں کا خیال تھا کہ وہ شام و لبنان کے اتحاد میں حائل ہیں۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء میں شامی پارٹی کے چند ممبروں نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے وہ بچ گئے۔ لیکن ۱۹۵۱ء میں جب وہ اُردن کے دورہ پر گئے تو ان کو قتل کر دیا گیا۔

سیاسی کش مکش

لبنان کی سیاست پر چند دولتمند خاندان چھائے ہوئے ہیں جن میں عوینی، خوری، عریدی اور قطانہ زیادہ نمایاں ہیں۔ اور ان کے مفادات قومی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں۔ ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں بھی دستوری بلاک نے اکثریت حاصل کر لی۔ اور اس کے رہنما سمیع الصلح وزیر اعظم ہوئے۔ قومی بلاک کے رہنما کمیل شمعون نے حکومت کے خلاف تحریک شروع کی اور سوشلسٹ پارٹی کے قائد کمال جمبول نے ان کا ساتھ دیا۔ اس مخالفت کا سبب صدر جمہوریہ کا طرزِ عمل تھا۔ جب وزیر اعظم نے بھی صدر کی مخالفت کی تو جنرل فواد شہاب نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور شیخ بشارت کو مستعفی ہونا پڑا۔ شہاب نے خود صدر بننے سے انکار کر دیا اور پارلیمنٹ نے کمیل شمعون کو صدر جمہوریہ منتخب کر لیا۔ جنرل شہاب اپنی فوجی خدمت پر واپس چلے گئے اور صائب سالم وزیر اعظم ہوئے۔ نئے صدر اور وزیر اعظم میں اختلاف ہوا اور پارلیمنٹ توڑ دی گئی۔ لیکن نئے انتخابات میں بھی دستوری بلاک نے اکثریت حاصل کر لی۔ اور عبداللہ الیافی وزیر اعظم ہوئے۔ رفتہ رفتہ سیاسی حالات معتدل ہونے لگے۔ لبنان نے مغربی ممالک سے اپنے تعلقات زیادہ استوار کر لئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ عرب ممالک کے باہمی تعلقات کو زیادہ خوشگوار بنانے کی بھی کوشش کرتا رہا۔ لیکن خود لبنان اور شام کے درمیان کشیدگی بڑھتی گئی۔ اور ان کے الحاق کی تحریک ترقی کرنے لگی۔ طرابلس کے نوجوان رہنما رشید کرامی بھی اس تحریک کے حامی تھے اور ۱۹۵۵ء میں وہ چند ماہ کے لیے وزیر اعظم بھی ہوئے۔ لیکن اس وقت شام کے سیاسی حالات دوسرے کئی لیڈروں کی طرح کرامی کے نقطۂ نظر میں بھی تبدیلی پیدا کر چکے تھے۔ متحدہ عرب جمہوریہ کے قیام نے لبنان میں شدید کش مکش پیدا کر دی۔ شام سے الحاق کے حامیوں، شمعون کے سیاسی مخالفوں اور اشتراکیوں نے حکومت کے خلاف متحد ہو کر قدم اٹھایا۔ اور اختلاف نے بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ وزیر اعظم سمیع الصلح نے جو کمیل شمعون کی جماعت قومی بلاک کی مخالف دستوری بلاک کے لیڈر تھے اس کش مکش میں صدر شمعون کی پوری حمایت کی لیکن شمعون کے پرانے رفیق کمال جمبول باغیوں کے رہنما بنے اور اپنے دیرینہ سیاسی مخالف صائب سالم سے تعاون کرنے لگے جن کی قیادت میں مخالف حکومت تحریک نے خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی۔ یہ خانہ جنگی دراصل سیاسی اقتدار کے لیے مارونی فرقے اور مسلمانوں کی جنگ تھی۔ جس سے اشتراکیت پسندوں

نے اپنے مفاد کے مطابق کام لینا چاہا اور آخر کار امریکہ کو فوجی مداخلت کرنی پڑی۔ اس مداخلت سے لبنان کا مسئلہ ایک عالمی مسئلہ بن گیا۔ اور اقوام متحدہ میں زیر بحث آیا۔ اس کے ساتھ ہی لبنان کے رہنماؤں نے بھی حالات کی نزاکت کو محسوس کیا اور شمعون کی جگہ جنرل شہاب کے انتخاب نے امن اور مصالحت کے امکانات روشن کر دیئے۔ چند سال قبل فوجی انقلاب کے بعد جنرل شہاب نے صدر بننے سے انکار کیا تھا اور شمعون صدر منتخب کئے گئے تھے۔ لیکن اس نازک موقعے پر شہاب نے صدر بننا منظور کر لیا اور شمعون کی مدتِ عہدہ ختم ہونے کے بعد جب وہ صدر جمہوریہ ہوئے تو رشید کرامی کو جو باغیوں کے ایک ممتاز لیڈر تھے وزیر اعظم نامزد کیا۔

اقتصادی حالت

معاشی اعتبار سے لبنان ایک خوش حال ملک ہے۔ لیکن اس خوش حالی میں عام مسلم آبادی کا حصہ کم ہے۔ ایک محدود طبقہ بڑا دولتمند ہے اور عوام مفلوک الحال۔ لیکن عیسائی عوام بھی خوش حال ہیں۔ مسلمان بالعموم مزدور اور زراعت پیشہ ہیں۔ اور عیسائی تاجر اور فنی کام کرنے والے۔ لبنان کی زرعی پیداوار میں گیہوں، جو، کپاس، تمباکو، سنترے اور انگور زیادہ اہم ہیں۔ سوتی، اونی اور ریشمی کپڑے۔ چرمی اشیاء۔ سیمنٹ۔ شکر۔ سگریٹ۔ شراب۔ ماچس۔ صابن اور عطر سازی کی صنعتوں نے بڑی ترقی کی ہے۔ لبنان کی خوش حالی کا بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ امریکہ، یورپ اور مشرق وسطیٰ کے ممالک سے بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی ہے۔ کئی ممالک بیروت کے راستے سامان درآمد کرتے اور کروڑوں پونڈ کا مال باہر بھیجتے ہیں۔ پٹرول صاف کرنے کے کارخانے بھی بڑی تعداد کا ذریعۂ معاش ہیں۔ عراق پٹرولیم کمپنی کی دو پائپ لائن کرکوک سے طرابلس تک لائی گئی ہیں جہاں روزانہ دس ہزار بیرل تیل صاف کیا جاتا ہے اور تیسری لائن سعودی عرب میں ظہران کے چشموں سے صیدہ تک بنائی گئی ہے جہاں روزانہ سات ہزار بیرل تیل صاف کیا جاتا ہے۔

لبنان کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ وہ سیاح ہیں جو ہر موسم میں مختلف ممالک سے آتے رہتے ہیں۔ مصر، سعودی عرب، عمان اور کویت سے لے کر عراق و شام تک تمام ممالک کے امراء بڑی تعداد میں جبالِ لبنان کی صحت بخش وادیوں میں گرمی کا موسم گذارتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ممالک کے سیاح لبنان کے قدرتی حسن سے لطف اندوز ہونے کے لیے کثیر تعداد میں آتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سال لبنان کو سیاحوں سے تین کروڑ ڈالر آمدنی ہوئی۔ لبنان میں سیاحت ایک ترقی یافتہ صنعت بن گئی ہے۔ جگہ جگہ اعلیٰ درجہ کے ہوٹل اور آرام گاہیں ہیں۔ دو ہزار میل مجموعی طول کی عمدہ سڑکیں ہیں۔ استنبول سے قاہرہ جانے والی ریلوے لائن جنوب میں راس النقورہ پر لبنان میں داخل ہوتی ہے اور براہِ بیروت و طرابلس حمص چلی جاتی ہے۔ لبنان کی قومی فضائی سروس بھی ہے اور بیروت کا مطار خالدی بہت اہم بین الاقوامی ہوائی مرکز بن گیا ہے۔

لبنان کے تاریخی آثار سیاحوں کے لیے خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ صیدہ اور السور کے مشہور ساحلی شہروں کے علاوہ جو فنیقی عہد میں بہت بڑے بحری اور تجارتی مرکز تھے بیروت اور طرابلس کے درمیان ایک چھوٹا سا قصبہ بائیلوس ہے جو فنیقی دور میں جبیل کہلاتا تھا اور دنیا کے موجودہ قدیم شہروں میں سب سے پرانا ہے۔ یہاں کے تاریخی آثار میں بے شمار کتبے خاص دلچسپی کے حامل ہیں۔ ایک کتبے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ سے تیرہ سو سال پہلے مصر کے حکمراں ریمسز دوم کی فوجیں اس جگہ قیام پذیر ہوئی تھیں۔ بابلی، آشوری اور یونانی دور کے بھی ایسے ہی کتبے ہیں۔ فاتحین کے اس سلسلہ میں رومی اور عثمانی سپہ سالاروں کے نصب کردہ کتبے بھی موجود ہیں اور آخر میں ایک کتبہ انگریزی فوج کے جنرل ایلنبی کا لگایا ہوا ہے جس کی فوج پہلی عالمی جنگ کے زمانے میں یہاں سے گذری تھی۔ قدیم زمانے میں یہاں پیپرس کے ورق بنانے کی صنعت بڑی ترقی پر تھی جس کو بائبلس کہا جاتا تھا۔ اس لئے یونانیوں اور رومنوں نے اس شہر کا نام ہی بائبلوس رکھ دیا اور انجیل کو بھی بائبل کا نام اسی لیے ملا کہ یہ بائبلوس پر لکھی گئی تھی۔

بائیلوس کے مقابل مشرق میں قدیم رومی دور کے شہر بعلبک کے کھنڈر ہیں۔ جو تاریخی عظمت کے اعتبار سے خود رومۃ الکبریٰ کے کھنڈروں سے کم نہیں۔ رومی اس شہر کو ہیلیو پالس یعنی سورج دیوتا کا شہر کہتے تھے۔ اور یہاں بڑے عظیم الشان مندر تعمیر کئے تھے۔ جوپیٹر، باکوس اور وینس کے مندروں، خانقاہوں اور دوسری کئی عمارتوں کے کھنڈر قابل دید تاریخی آثار ہیں۔ ان عمارتوں میں اتنے بڑے پتھر لگائے گئے ہیں اور سنگ تراشی وفن تعمیر کے وہ کمالات نظر آتے ہیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ جرمنوں نے تیس سال تک کھدائی کر کے یہ آثار برآمد کئے ہیں جو لبنان کے تاریخی آثار میں سب سے زیادہ اہم اور قابل دید ہیں۔

تعلیم

تعلیمی ترقی کے لحاظ سے لبنان سب عرب ممالک سے آگے ہے۔ یہاں تین یونیورسٹیاں ہیں۔ مشہور و معروف امریکن یونیورسٹی راس بیروت سے قریب لب ساحل ایک پہاڑی پر واقع ہے جہاں ہر ملک اور مذہب کے طلبا نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد سینٹ جوزف یونیورسٹی کا مرتبہ ہے جو ۱۸۷۵ء میں قائم ہوئی تھی۔ چند سال ہوئے لبنان کی قومی یونیورسٹی بھی قائم کی گئی ہے۔ لبنان میں دو ہزار سے زیادہ اسکول ہیں جہاں ۲½ لاکھ سے زیادہ طلبا زیر تعلیم ہیں۔ دولت کی طرح تعلیم میں بھی عیسائی مسلمانوں سے بہت آگے ہیں۔ اور ان میں اعلیٰ تعلیم اور خواندگی کی شرح بہت زیادہ ہے۔ تاہم مسلمان رہنما لبنانی مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی ترقی کے لیے پوری جدوجہد کر رہے ہیں اور ان کو کامیابی بھی ہو رہی ہے۔ لبنان کے رہنماؤں میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہے اور اپنی قوم کی حالت کو بہتر بنانے کا پورا احساس بھی ہے۔

معاشرت

اہل لبنان پر مغربی تہذیب و ثقافت نے بہت گہرا اثر ڈالا ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں عربی قومیت کا احساس بھی قوی ہے ۔ چنانچہ ان کی معاشرت میں مشرق و مغرب کا ایک خوشگوار امتزاج نظر آتا ہے ملک کی عام اور سرکاری زبان عربی ہے ۔ تعلیم یافتہ طبقہ فرانسیسی بھی جانتا ہے ۔ بیروت کی یونیورسٹیوں میں انگریزی کی بھی تعلیم دی جاتی ہے ۔ لیکن انگریزی جاننے والے پہلے بیروت میں بھی کم ہی ملتے تھے ۔ تعلیم یافتہ فلسطینی مہاجروں کی آمد اور گزشتہ چند سال میں انگریزی تعلیم کی اشاعت سے انگریزی دانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا ہے ۔ علم و ادب اور صحافت کی ترقی کے اعتبار سے لبنان تمام عرب ممالک میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے ۔ بیروت مشرق وسطیٰ میں طباعت کا سب سے بڑا مرکز ہے ۔ لوگ ادب، شاعری، مصوری، موسیقی، رقص اور تفریحات کے دلدادہ ہیں ۔ اور چھٹی کا دن سیر گاہوں میں گذارتے ہیں ۔ شامیوں کی طرح لبنانی بھی خوبصورت ہوتے ہیں ۔ تعلیم یافتہ مرد اور عورتیں سب مغربی لباس استعمال کرتے ہیں ۔ غریب طبقہ کے لوگ بالعموم خاکی کوٹ اور پتلون پہنتے ہیں ۔ دیہات میں بلقانی اور مصری فلاحین کے لباس بھی نظر آتے ہیں ۔ کوہ حرمون کے دامن میں رہنے والے دروزی خانہ بدوشوں جیسے کپڑے پہنتے ہیں ۔ لبنانی مسلمان عورتیں نہ تو پردہ کرتی ہیں اور نہ شامیوں کی طرح نقاب ڈالتی ہیں ۔ خوش حال طبقے کی عورتوں میں تعلیم کی شرح بھی دوسرے عرب ممالک سے زیادہ ہے ۔ لبنان کے شہر طرز تعمیر، صفائی، معاشرت ہر اعتبار سے یورپی شہر معلوم ہوتے ہیں تاہم اس تہذیب و تمدن کے دامن پر کہیں کہیں بدنما داغ بھی نظر آتے ہیں ۔ اور اس کے ذمہ دار وہ انسان ہیں جو ان کو دور کر دینے کی قدرت بھی رکھتے ہیں ۔

پاکستانی سیاح لبنان میں یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ لبنانیوں کے ہر طبقہ میں پاکستان کے لیے خلوص و محبت کے جذبات موجود ہیں ۔ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۱-۵۲ء میں مجھے سات مرتبہ لبنان جانے اور اس کے ہر ایک حصے کو دیکھنے کا موقع ملا ۔ اپنے مقاصد سفر کے تحت میں وہاں کے وزیروں، سیاسی لیڈروں، ادیبوں، صحافیوں اور تاجروں سب سے ملا اور یہ محسوس کیا کہ پاکستانی ہونا بجائے خود باعث فضیلت ہے ۔ انہوں نے بڑی مسرت کے ساتھ یہ اعتراف کیا کہ پاکستان نے جس عزم و استقلال سے فلسطین کے عربوں کی حمایت کی ہے اور ہر موقعے پر جس خلوص کے ساتھ عرب اور اسلامی ممالک کا ساتھ دیتا اور ان کے مفاد کو عزیز رکھتا ہے اس نے اہل لبنان کے دل میں پاکستان سے گہری عقیدت و محبت پیدا کر دی ہے ۔ لبنان کے مسلمان رہنماؤں کے نزدیک پاکستان کا قیام اسلامی تاریخ میں ایک نئے اور درخشاں باب کا آغاز ہے اور جب وہ پاکستان کا ذکر کرتے تھے تو ان کی دلی مسرت ان کے چہروں سے جھلکنے لگتی تھی ۔

تصنیفاتِ

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

حکمتِ رومی

جلال الدین رومی کے افکار و نظریات کی حکیمانہ تشریح جو ماہیتِ نفسِ انسانی، عشق و عقل، وحی و الہام، وحدت وجود، احترامِ آدم، صورت و معنی، عالم اسباب اور جبر و قدر جیسے اہم ابواب پر مشتمل ہے۔ قیمت تین روپے آٹھ آنے

فکرِ اقبال

یہ بلند پایہ تصنیف اقبالیات میں گرانقدر اضافہ ہے جس میں حضرت علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفہ کے ہر پہلو کی بڑے دلنشیں انداز میں تشریح کی گئی ہے۔ قیمت دس روپے

افکارِ غالب

مرزا غالب کے بلند پایہ فلسفیانہ کلام کی حکیمانہ تشریح کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے اُردو ادب میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔

قیمت آٹھ روپے آٹھ آنے

اسلامک آئیڈیالوجی

اسلام کے مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اُصولوں کا دوسرے نظریات سے اور اسلامی نظریہ حیات کا دوسرے نظام ہائے فکر سے مقابلہ کر کے ایک طرف تو مغربی دنیا کو دعوتِ فکر و نظر دی گئی ہے اور دوسری طرف خود مسلمانوں کو جمود و بے حسی اور تقلید پرستی کے طلسم توڑ کر اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ قیمت بارہ روپے

اسلام کا نظریہ حیات

ڈاکٹر صاحب کی انگریزی تصنیف "اسلامک آئیڈیالوجی" کا ترجمہ ہے۔ کتاب خوشنما ٹائپ میں چھپی ہے۔ قیمت آٹھ روپے

اسلام اینڈ کمیونزم

یہ اسلامی اور اشتراکی نظریات کا تقابلی مطالعہ ہے جس میں اسلامی تصورات کی امتیازی خصوصیات واضح کی گئی ہیں۔

قیمت دس روپے

ملنے کا پتہ

اِدارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور